Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

Contribution of (selected) Indian poets in modern Urdu Ghazal formation

اُردو غزل کی تشکیلِ جدید میں (منتخب) ہندوستانی شعرا کا حصہ

ثقلین احمد خاں (ثقلین سرفراز) [1]
محسن خالد محسن [2]
حمیرہ [3]

لیکچرر شعبہ اردو، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
شعبہ اُردو، گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، لاہور mohsinkhalid53@gmail.com
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو اسلامیہ کالج پشاور

Abstract

Urdu ghazal has a wide experience of expressing emotions and feelings, this genre of poetry has influenced Urdu appreciative minds living all over the world with its style of expression and poetic sensibility. And there is a continuity in the post-modern poetry tradition, after the post-modern ghazal, the Urdu ghazal has now entered the 20th century. In the poetic tradition of Urdu ghazal years and years ago, the poet has spent his life and blood to correct it. It covers the works and contributions of selected Indian poets who have played a role in embellishing the ghazal genre and proving it as the best medium to express human emotions.

Key words: Urdu ghazal, classical tradition, India, subcontinent, Urdu literature, romanticism, modernity, postmodern ghazal, Indian society.

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

اُردو غزل بطور صنفِ سخن اوائل سے شعرا کی دلچسپ صنف رہی ہے۔اُردو زبان کے آغاز میں اسے جو شعرا میسر آئے،انھوں نے اس کی نوک پلک سنوارنے میں اپنا خونِ جگر صرف کیا۔اس صنف کی خوبی یہی ہے کہ اس کی گردن مارنے والے سیکڑوں آئے اور خاک میں مل گئے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔یہ صنف اپنی تمام تر جولانیوں،توانائیوں اور جذباتی رو کے وسیع تر پھیلے سلاسل کے ساتھ ہنوز موجود ہے اور پوری کمک کے ساتھ موجود رہے گی۔اُردو زبان میں نثر کی نسبت نظم کو شروع سے زیادہ دلچسپی سے لکھا،پڑھا اور محفوظ کیا گیا ہے۔شعرا کے اوائل میں مثنوی پر توجہ دی،بعد ازاں غزل کی طرف متوجہ ہوئے تو اسی کے ہو کر رہ گئے۔غزل کی صنف اپنے تمام تر عناصر ولوازمات کا خزانہ رکھتی ہے جو ایک انسان کی جملہ کیفیات وواردات اور تجربات وحوادث کی عکاس ہوتی ہے۔اُردو غزل نے قریباً آٹھ سو برس کا سفر طے کیا ہے۔ہزاروں شعرا نے اس صنف کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔اس صنف کی خوش قسمتی ہے کہ اسے قلی قطب شاہ سے بہادر شاہ ظفر تک بادشاہِ وقت نے اپنے ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھا اور اس میں اظہارِ ذات کے سبھی اُردو غزل کا سفر کلاسیکی غزل سے مابعد کلاسیکی تک تسلسل سے صدیوں جاری رہا۔مابعد جدید غزل سے جدید غزل مشاہدات وتجربات کو مثلِ نگیں پُر ودیا اور جدید سے جدید ترین تک آتے آتے اکیسویں صدی میں ہم داخل ہوتے ہیں۔غزل کا رنگ وآہنگ اور لب ولہجہ میں مرورِ وقت کے ساتھ بدلاؤ آتے گئے اور اس کا چہرہ مہرہ مزید نکھر کر ترش کر مصفی ومقیش ہوا۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد دو نئے ملک ہندوستان اور پاکستان نے جنم لیا۔اُردو زبان نہ اِدھر کی رہی اور نہ اُدھر کی رہی۔سرحد کی دیوار حائل ہونے سے سب سے زیادہ نقصان اُردو زبان اور اس کی اصناف کو ہوا۔زبانیں کسی ملک،قوم اور افراد کی ملک نہیں ہوتی۔اُردو کی یہ بدقسمتی رہی کہ اسے سیاست کی نذر کر کے اِس کے فروغ میں مصنوعی رکاوٹیں حائل کی گئیں جو رفتہ رفتہ دم توڑ گئیں۔اُردو زبان کے ارتقا اور اس کی جملہ اصناف کا فروغ آج بھی جاری ہیں۔سرحد کی فصیل حائل ہونے کے باوجود دونوں طرف کے شعرا نے اس زبان کی جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔پاکستان میں جدید اُردو غزل کا مستقبل انتہائی روشن ہے۔پاکستان میں اس صنف کو ایک سے بڑھ کر ایک شاعر میسر ہے۔یہی صورتحال ہندوستان میں ہے۔ہندوستان میں جدید اُردو غزل کو نئے چہرے اور نئی آوزیں میسر آئی ہیں جنھوں نے روایت کو بھی نبھایا اور جدید لب ولہجے اور نئے موضوعات کو بھی غزل کی نازک اور کومل لے میں کامیابی سے ڈھالا۔

شاعر چھوٹا بڑا نہیں ہوتا،شاعر مشہور کم اور زیادہ ہوتا ہے۔شاعر کو کسی معیار،پیمانے اور کسوٹی پر پرکھا نہیں جاتا۔اس کا لکھا،کہا اور سنایا ہوا اس کی فکری تموج اور شاعرانہ اُپج کا غماز ہوتا ہے۔ذیل میں جن شعرا کا انتخاب کیا گیا ہے،ان کے کلام میں وہ گہرائی،گیرائی اور فکری تموج موجود ہے جس سے یہ صنف دیگر اصناف کو منہ چڑاتی دکھائی دیتی ہے۔اس مضمون میں انتہائی اختصار کے ساتھ ہندوستان میں صنفِ غزل کے قیام ہندوستان کے بعد سے عہدِ حاضر تک کے نمائندہ شعرا کا انتخاب کیا گیا ہے جنھوں نے صنفِ غزل کی تشکیلِ جدید میں اہم کردار ادا کیا ہے۔اس انتخاب میں یقیناً بہت سے مزید اہم شعرا کے نام نہیں آسکے ہوں گے۔اس کی وجہ مضمون کے اختصار کی تحدید کو ملحوظِ خاطر رکھنا مقصود ہے۔ذیل میں اشعار کے کلام کا تجزیاتی جائزہ مع امثال پیشِ خدمت ہے۔

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

اصغر گونڈوی جدید اُردو غزل کے انیسویں صدی کے ربع ثانی کے صفِ اول کے شاعر ہیں۔ ان کی طبیعت میں صوفیانہ رچاوٹ کی شدت نے غزل کو درویشانہ بنادیا ہے۔ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد لکھتے ہیں: '' اصغر کا متصوفانہ لب ولہجہ انھیں اپنے ہم عصر شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کی غزل میں اعلیٰ معیار کی شائستہ زبان مضمون کے کثیر المعنی تناظر میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہے''[۱]

؎ اُس آستاں سے اُٹھائی نہ پھر جبیں میں نے — حرم میں سجدہ پیہم تھی ایک دردِ سری

؎ اسیرانِ بلا کی حسرتوں کو آہ کیا کہیے — تڑپ کے ساتھ اونچی ہوگئی دیوار زنداں کی

ناطق لکھنوی نے کلاسیکی روایت کی تقلید ضروری کی لیکن اپنا جدا رنگ اپنانے کی کوشش بھی کی۔ ناطق نے غزل کو تغزل بنانے کی شعوری کوشش میں زبان کے اصول سے انحراف کیا جس سے خیال کی اثریت میں کمی واقع ہوئی۔ ناطق کے پسندیدہ موضوعات میں اخلاقی اور متصوفانہ فکر کا غلبہ غزل کے مزاج پر حاوی دکھائی دیتا ہے۔

؎ ڈھل گیا عمر کا دن دور میں اب جام آیا — آفتاب آیا مگر حیف سرِ شام آیا

؎ پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہوئے ہر لالہ زار میں — اک پھول کھو گیا ہے ہمارا بہار میں

مبارک عظیم آبادی قدیم وضع کے شاعر تھے۔ مبارک نے داغ استاد کے رنگ کو عمر بھر اختیار کیے رکھا۔ غزل کے موضوعات میں دنیا کی بے مرورتی، بے حسی اور گلہ وماتم سرفہرست ہیں۔ مبارک نے تخیل پر زور دینے کی بجائے آورد پر محنت کی اور شعر کو فنی باریکیوں اور فکری تموج سے آشنا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

؎ ظلم ہے ترکِ ستم کر کے پشیماں ہونا — قہر ہے اس پہ ترا سر بہ گریباں ہونا

؎ دام آفریں تھی مرغِ تہِ دام کی تڑپ — مشکل کو اس نے اور بھی مشکل بنادیا

جگر مرادآبادی کی شاعرانہ تربیت کلاسیکی اور جدید دو طرز میں ہوئی۔ ان کے ہاں فکر کی گہرائی اور فن کی اونچائی کا سنگم دکھائی دیتا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں: ''جگر اس دور کے سب سے زیادہ مقبول اور مشہور غزل گو شعرا میں سے ہیں۔ ان کو لوگ مانیں یا نہ مانیں ان کے کلام پر سر بھی دھنتے ہیں''[۲] جگر نے غزل میں تغزل کے عنصر کو غزل کا جزو لازم بنادیا تھا جس سے غزل کی زبان مزید نکھر گئی اور لطیف ومنزہ خیالات کی ترسیل نسبتاً سہل ہو گئی۔

؎ یہ حُسن ہے کیا؟ یہ عشق ہے کیا؟ کس کو ہے خبر اس کی لیکن — بے جام ظہورِ بادہ نہیں، بے بادہ فروغِ جام نہیں

؎ میں جہاں ہوں، ترے خیال میں ہوں — تو جہاں ہے، مری نگاہ میں ہے

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

فراق گورکھپوری کا نام بلند آواز میں پکارا جاتا ہے اور ادب و نقد حضرات متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فراق کی غزل میں فکر و فلسفہ عود کر آتا ہے اور تنہائی کے آگے سر نگوں کیے بیٹھ جاتا ہے۔ فراق نے کلاسیکی روایت کو آٹے پانی کی طرح آمیختہ بنا کر جدید غزل کے سانچے میں سمویا ہے۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں: '' فراق کی غزلیں ان کے انفرادی جذبات سے بوجھل ہیں، اس کا اضطراب، اس کی سپردگی و معصومیت اور اس کا شعورِ آگہی پھوٹ پھوٹ نکل رہی ہے۔ حسن و عشق کی کیفیات کو عشقیہ شاعری میں ایک نیہ طرز اور آہنگ عطا انھوں نے کیا۔''[۳]

؎ غم و نشاط ترے کس طرح کوئی جانے — ہنسی لبوں پہ نہیں آنکھ بھی پُرآب نہیں

؎ نہیں ہیں پھول تو خاروں کا چھیڑ سکتا ہوں — خزاں میں رفتہ بہاروں کو چھیڑ سکتا ہوں

پرویز شاہدی کا نام بھی مخدوم کے ہم عصر شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی غزل کا رنگ کلاسیکی ہے۔ ان کے ہاں ترقی پسندی اور سیاسی تغزل کی آمیزیش دکھائی دیتی ہے۔ پرویز کی غزلوں میں حسن و عشق کے جذبات ناہونے کے برابر ہیں۔ ان کے ہاں جام و مستی اور سرور و انبساط کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔

؎ اے دل! کہاں ہے تری وہ بیباکئ سخن — کچھ کہہ رہے ہیں بخیہ گرانِ لب و دہن

؎ گلے میں بانہیں ڈال کر منا ہی لیں گے ڈالیاں — گلوں سے روٹھ بھی گئی اگر صبا تو کیا ہوا؟

معین احسن جذبی اُردو غزل کی رویت میں ایک بڑا نام ہے۔ ان کی غزل کا رنگ سیاسی ہونے کے بعد ادبیت کی فضا لیے ہوئے ہے۔ ان کے ہاں کلاسیکی رنگ کی آمیزیش دکھائی دیت ہے۔ انھوں نے غزل کو امید کا استعارہ بنایا ہے اور موسیقی کے عنصر کے رچاؤ سے غزل کی حسیت کو شیریں کر دیا ہے۔

؎ اے محبت کیا قیامت ہے کہ تیری راہ میں — ایک دیوانہ خرابِ ہر ستم ہوتا رہے

؎ ہجر کی رات ہے طویل، وصل کی صبح دور ہے — جذب ابھی ہے ناتمام، خام ابھی شعور ہے

شکیل بدایونی اُردو غزل کی توانا آواز ہے۔ شکیل کی شاعری کا مزاج کلاسیکی ہے۔ ان کے لہجے کا اُتار چڑھاؤ لفظیات کے دروبست سے مہمیز ہوتا ہے۔ جگر کے اسلوبِ شعری سے متاثر تھے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں: '' شکیل کی شاعری کا مزاج کلاسیکی غزل نے تیار کیا ہے۔ ان کی شاعری میں بحور، الفاظ اور تراکیب کی بُنت کا عمل مصرعوں کی تراش خراش سے عیاں ہوتا ہے۔''[۴] شکیل کی غزل میں جدت، ندرت اور روانی کے ان کے بعض اشعار کو ضرب المثل بنا دیا ہے۔

؎ یوں ختم داستانِ محبت ہوئی شکیلؔ — جیسے کوئی حسیں غزل گا کے رہ گیا

؎ گمانِ ترکِ وفا ہے ترکِ تغافل پر — زمانہ وقت سے پہلے بدلتا جاتا ہے

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

جان نثار آختر نے غزل کو غزل ہی رہنے دیا ہے۔ ان کی غزل میں کلاسیکی اور جدت کی آمیزیش نے رومانوی لب و لہجے کو تازگی بخشی ہے۔ نثار کے ہاں واقعیت اور اپنایت کا احساس باہم مدغم صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ نثار نے غزل میں تغزل کے عنصر کو برتنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ ان کی نظموں میں بھی اسی رنگِ سخن کی گہری چھاپ موجود ہے۔

؎ یار واپنے عشق کے قصے یوں بھی کم مشہور نہیں کل تو شاید ناول لکھے جائیں، ان رومانوں پر

؎ ایک بھی خواب نہ ہو جن میں وہ آنکھیں کیا ہیں اک نہ اک خواب تو ان آنکھوں میں بسا و یارو

شمیم کرہانی نے غزل کو جذباتی رو کے متوازی قلبی حدت کے انفعالی تاثر میں رکھ کر دیکھا ہے۔ شمیم نے الفاظ سے تاریخی شعور کا کام لیا ہے۔ زبان سادہ مگر فکر اتھاہ گہرائی کی حامل ہے۔ شعر پڑھتے ہوئے شعر کے سیاق سے ذہن الجھتا محسوس ہوتا ہے۔

؎ یہ دل فریب چاند ہے کہ نیم جاں چکور یہ موت کا سکوت ہے کہ زندگی کا شور

؎ لرز رہے ہیں ستارے کہ اس زمین پہ ہم تلاشِ جادہ شمس و قمر کو نکلے ہیں

نشور واحدی اسی عہد کا ممتاز شاعر ہے جس کے ہاں غزل واقعی ایک جاندار اظہار کا پیرایہ بن گئی ہے۔ نشور نے ریاض خیر آبادی کے شعوری تتبع میں خمریہ موضوعات پر لکھا اور اس میں اضافہ کیا۔ رندانہ تجربات کو غم کی لے سے ملفوف کر کے غزل کے ذائقہ کو بقول فراز شراب کو شرابوں میں ملا کر نشہ بڑھایا۔ ترنم اور درد اور موسیقی کا سنگم نشور کی غزل کا حسن اعجاز ہے۔

؎ عشق پُر نیرنگ تیری بے مثالی ہے عجب عجز کا پہلو بھی داخل ہے ترے اعجاز میں

؎ نہیں معلوم دل کھو کر پھر اپنا حشر کیا ہوگا جہاں تک دل ہے اُن کی مہربانی ہوتی جاتی ہے

مجروح سلطانپوری اُردو غزل کے نمایاں شاعر ہیں جنھوں غزل کو مشاعروں سے نکال کر پردے پر یعنی فلم انڈسٹری میں پہنچایا۔ مجروح کی غزل میں کلاسیکی روایت کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے غزل کی نزائیت کو صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ زبان کی حلاوت کو جذبے کی لطافت کے ساتھ مدغم کرنے غزل کی مجموعی صورت کو بیان کا مرقع بنا دیا ہے۔ پروفیسر محمد حسن نے لکھا ہے: ''مجروح نے غزل کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں عہدِ جدید کی امیجری اور آراستگی کا بیان کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا ہے۔''[۵]

؎ جگائیں ہم سفروں کو، اُٹھائیں پرچم شوق جو خارِ راہ کو بھی شمعِ رہگذار کرے

؎ راس آئے تو ہے چھاؤں بہت برگ و شجر کی ہاتھ آئے تو ہر شاخ ثمر ریز بہت ہے

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

کیفی اعظمی کا نام ہر حوالے سے اُردو ادب میں باقی رہے گا۔ کیفی کی فلمی دنیا میں خدمات اپنی جگہ ؛ان کی شاعری کا قد ان کے ہمعصر میں نسبتاً اونچا ہے۔ کیفی نے غزل میں جدید لب ولہجے کو ابھارا اور اپنے فکری میلانات سے غزل کے سانچے کو از سر نو تشکیل دیا۔ ڈاکٹر مظفر حنفی لکھتے ہی": "کیفی کے اشتراکی نظریات کا درجہ عقیدت مندانہ ہے مگر ان کی غزل کا رنگ ایمائیت کے فلسفے کے گرد گھومتا ہے۔"[۶]

؎ آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے — آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی

؎ ابھی کھلیں گے نہ پرچم، ابھی پڑے گا نہ رن — کہ مشتعل ہے مگر متحد نہیں ہے وطن

کمار پاشی کی نظموں کے آگے ان کی غزل کا چراغ نہ جل سکا۔ انھوں نے نظم میں شہرت حاصل کی تاہم ان کی غزل بھی توجہ کا تقاضا کرتی ہے۔ کمار نے معاشرتی تنزل کو انسان کی بے حس طبیعت کے پیش نظر اجتماعی احتجاج بنا کر پیش کیا ہے۔ اخلاقی تموج کی ناہمواری اور تہذیبی گراوٹ کی گھمبیر کشمکش ان کی غزل کا ماحصل ہے۔ کمار نے انسانی جذبات کو بے توقیر ہوتے دیکھ کر سر پہ دھول ڈال کر ماتم کیا ہے۔

؎ ٹوٹ کر تارے گرے کل شب مری دہلیز پر — اُس کی بھی آنکھیں گئیں اور میں بھی اندھا ہو گیا

؎ ہم یہ کیا جانیں کہ کیوں صبر و سکوں جاتا رہا — تو جو اک دن پاس آبیٹھے تو سمجھائے ہمیں

بیدل حیدری کی غزل کا رنگ کلاسیکی مزاج لیے ہوئے ہے۔ بیدل نے غزل کے کینوس کو علامتوں، محاکات اور استعاروں سے سجایا ہے۔ ان کا ذاتی مشاہدہ تجربے کی بھٹی سے کندن ہو کر مصرعوں میں ڈھلا ہے۔ شعر کہنے کے فن سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اپنے عہد کے عصری مسائل کی تصویر کشی میں ماہر ہیں۔ غزل کے رنگ کو تکرار لفظی سے پھیکا نہیں پڑنے دیا۔

؎ اُس کا پیکر مری سوچوں نے تراشا کیسے — محوِ حیرت ہوں قریب اتنا وہ آیا کیسے

؎ چھوڑ کر دُھوپ گلی میں مرا سایہ مجھ کو — اس کی دیوار سے لپٹا ہے تو کتنا خوش ہے

مظہر امام نے غزل کی صنف میں تجربات کیے اور "آزاد غزل" کا تجربہ ان سے منسوب ہو کر رہ گیا۔ مظہر نے غزل کے کینوس کو وسعت دینے کے لیے اس کے عروضی نظام سے انحراف کیا۔ آل احمد سرور نے لکھا: "مظہر امام نے ترقی پسندی کے زیر اثر جدیدیت کو غزل میں شامل کرنے کی کوشش کی جس میں یہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکے۔"[۷]

؎ جتنے پتے تھے، سب ہی ہوا دے گئے — کس پہ تکیہ رہا ہے ترے شہر میں

؎ تجھے اے ہم سفر! کیسے سنبھالوں — بہکتا راستہ ہے اور میں ہوں

جگن ناتھ آزاد کی شاعری ان کے تنقیدی و تحقیقی کام کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے دب سی گئی لیکن اسے نظر انداز ہر گز نہیں کیا جا سکتا۔ جگن نے غزل کو انسانی موضوعات کے محدود دائرے سے باہر نکال کر آفاقیت سے متصل کیا۔ ان کے ہاں ہجر و وصل اور یاس و نراس کی ملی جلی کیفیت نظم و غزل میں

برابر ملتی ہے۔ حیات و کائنات سے دلچسپی کا عنصر واضح دکھائی دیتا ہے۔ سید عقیل رضوی لکھتے ہیں: '' آزاد کا آہنگ ان کی شاعرانہ شخصی وصف کا پتہ دیتا ہے۔ آزاد نے غزل کو ماورایت اور ملکوتی فضا میں تعمیر کرنے کی بجائے اس کی نیو زمین سے اُٹھائی ہے۔''۷

؎ گم ہو چکی ہے کہکشاں گردِ راہ میں　　اب دیکھیے ہو ختم ہمارا سفر کہاں

؎ مجھے ہر اک قدم پر سابقہ تھا تازہ محفل سے　　مجھے ہر اک قدم پر یاد تیری انجمن آئی

آنند نرائن ملاؔ کا شعری سفر دلچسپی آہنگ لیے ہوئے ہے۔ نرائن نے کلاسیکی اساتذہ کے رنگ سخن سے خوب استفادہ کیا۔ ان کی غزلوں میں متانت، سنجید گی اور سلیقہ شعاری کا خاص اہتمام دکھائی دیتا ہے۔ عصرِ حاضر کی تابناکی اور توانائی کی حدت بھری فضا قاری کو متوجہ کرتی ہے۔ سادہ اور آسان زبان میں دل پہ گزری اور بدن پہ سہی واردات کو بیان کرتے ہیں۔

؎ تری جفا کو جفا میں تو کہہ نہیں سکتا　　ستم ستم ہی نہیں ہے جو دل کو راس آئے

؎ آدابِ محبت بھی ہیں عجب دو دل ملنے کو راضی ہیں　　لیکن یہ تکلف حائل ہے پہلا وہ اشارا کون کرے

قابل اجمیری نے اُردو غزل کو چونکانے والا لہجہ دیا ہے۔ قابل کی لفظیات شعوری حِسّیت اور گہری رمزیت سے بھری ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے لکھا: '' قابل اجمیری کی شاعری پڑھنے سے اس کی سوجھ بوجھ اور فنی دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ شعری کہنے کی فطری صلاحیت قابل کی شاعرانہ اُپج کا واضح ثبوت ہے۔ قابل نے سہل ممتنع کو حقیقی معنوں میں غزل کی ہمرکاب بنایا ہے جس سے شعر کی حِسّیت اور بڑھ گئی ہے۔''۸

؎ تمھیں چشمِ مخمور پر ناز کیوں ہے　　یہ خوابِ بہار اں تو ہم دیکھتے ہیں

؎ دل دیوانہ عرض حال پر مائل تو کیا ہو گا　　مگر وہ پوچھ بیٹھے خود ہی حالِ دل تو کیا ہو گا

علی جواز زیدی نے "دو ادبی اسکول" لکھ کر اُردو غزل کی لکھنوی اور دہلوی روایت کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ علی جواز خود ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے ہاں دل کی دھڑکن کو سینے پر ہاتھ رکھے بغیر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انسانی کرب کی تمام سطحیں علی جواد کے ہاں آہ بن کر ابھرتی ہیں۔ سچائی اور صداقت کے اس پیکر نے غزل کو حُسن و صداقت کا مرقع بنا دیا۔

؎ ایسی تنہائی ہے اپنے سے بھی گھبراتا ہوں میں　　جل رہی ہیں یاد کی شمعیں بجھاتا ہوں میں

؎ اب درد میں وہ کیفیتِ درد نہیں ہے　　آیا ہوں جو اس بزمِ گل افشاں سے گزر کے

شہاب جعفری نے ماورائی موضوعات کو طِلسمی انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی غزل میں فطرت کے سبھی رنگ جلوہ گر ہیں۔ شہاب نے علامتوں اور تمثیلوں سے اپنے عہد کی مخصوص مخدوش صورتحال کا نقشہ کھینچا ہے۔ احتشام حسین نے لکھا: "شہاب کے ہاں علامتوں کی تجریدیت سے معنوی حسن پیدا ہوا ہے جو غزل کے امکانات کو روشن کرتا ہے۔"۹

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

؎ زندگی غم ہی سہی، غم بھی ہمارا نہ رہا — اب محبت کا ہمیں کوئی سہارا نہ رہا

؎ مٹی کریدتے ہیں ہر اک رہگذر کی ہم — اے زندگی کہاں تری جاگیر کھو گئی

اشہر ہاشمی کے ہاں بھی روایت سے استفادہ کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ اشہر نے نظم میں اپنے افکار کا بیانیہ جدت پر جبکہ غزل میں کلاسیکی اُسلوب پر رکھا ہے۔ اشہر کے ہاں سماجی و سیاسی اور تہذیبی انحطاط کی گرواٹ کا شدید ردِ عمل ملتا ہے۔ اشہر کی غزل میں سطحیت کم اور داخلی ورود زیادہ ملتا ہے۔

؎ راکھ کے اندر چنگاری ہے، یہ کیا جانتے ہم — خشک لبوں کا تم پلکوں سے رشتہ جانتے ہیں

؎ تیرے بنا جینے کا سلیقہ بھی ہے لیکن — جینے کے لیے تیری ضرورت تو بہت ہے

سرور بارہ بنکی نے اُردو غزل کو سہل ممتنع کے دلآویز لہجے سے مزین کیا ہے۔ سرور کے عہد میں ان سے بڑا گہری بات کو آسان تر الفاظ میں کہنے والا کوئی نہ تھا۔ حقامی القاسمی لکھتے ہیں: '' سرور نے اُردو غزل کو تجربے کی لفاظی گرفت سے آشنا کروایا ہے۔''[۱۰]

؎ میرے روز و شب یہی ہیں کہ مجھی تک آرہی ہیں — تیرے حُسن کی ضیائیں کبھی کم کبھی زیادہ

وحید اختر کا طرزِ کلاسیکی غزل کی معنویت کو دوچند کرنے کا مسبب بنا۔ وحید نے نظم میں بھی کلاسیکی روایت کو باخوبی نبھایا۔ وحید کے ہاں عصری حسیت کی پیش کش کا نظام جدیدیت کے تصور سے متصل دکھائی دیتا ہے۔ مشاہدات و تصورات کا بیان ان کی تجربہ گاہ سے وارد معلوم ہوتا ہے۔ وحید نے الفاظ کے نت نئے استعمالات کے متنوع پہلو غزل کے سانچے کو بنیاد فراہم کرنے کے لیے تراشے۔

؎ دوستی اُن سے بھلا کیسے نباہی جائے — جو گریزاں ہیں مگر ہونٹوں پہ انکار نہیں

؎ کوئی گلی، کوئی گھر، کچھ سراغ تو ہوگا — کہ گم ہے دل، مگر اب ایسا لاپتا بھی نہیں

مخمور سعیدی جدید اُردو غزل کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔ مخمور نے غزل کی تنگ دامانی کو اپنے رومانوی خیالات سے وسعت دینے کی کوشش کی۔ ان کی غزل میں محبت مرکزی موضوع کی حیثیت سے موجود ہے۔ وجود کی ازیت سے متصل کشمکش کا تجرباتی انحطاط مخمور کی غزل میں نہایت سلقیے سے بیان ہوا ہے۔

؎ ہے مری حدِ رسائی تک مری پہچان کچھ — میں جہاں تک جا نہیں سکتا، وہاں میں کون ہوں؟

؎ ہم بھی اپنے روز و شب کے ہیں اسیر — وہ بھی کچھ حالات سے مجبور ہے

کرشن بہاری نور نے اردو غزل کو ایک نیا سانچہ دیا جو روایت سے ہٹ کر تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس تغزل سے لبریز سانچے میں کسی اور شاعر کو شعر کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کرشن کے ہاں کلاسیکی روایت کے استفادے کے ساتھ اپنی لفظیات کو مخصوص علامتی تلازموں کے ساتھ آمیختہ کرنے کی خداداد صلاحیت میسر تھے جس سے انھوں نے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ کرشن بہاری کی غزل کا تخلیقی سفر اُردو غزل کے ارتقا کی ایک اہم کڑی ہے۔

؎ نہ کوئی سمت نہ جادہ نہ منزلِ مقصود — یگوں یگوں سے یونہی بے رخی کی قید میں ہوں

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

؎ ادھورے خوابوں سے اُکتا کے جس کو چھوڑ دیا شکن نصیب وہ بستر مری تلاش میں ہے

ظہیر غازی پوری نے غزل کی کلاسیکی روایت کو تھامے رکھا۔ شعر عمدہ تراشتے ہیں۔ نظم کی دوڑ تخیل کے اسپ کے سپرد رکھتے ہیں۔ غزل لو بندھے ٹکے اصول سے ذرا منحرف نہیں ہونے دیتے۔ زبان پر گرفت نے مضمون کی ادائی کو سہل اور رواں بنا دیا ہے۔ جستجو اور کھوج کے عمل سے مسلسل غزل کا ارتقا ہوتا ان کی شعری سفر میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

؎ اپنے ہی عکس تھے دُھندلے شاید آئینے تو نہ تھے اندھے شاید

؎ کوئی منصور مرے جسم کے اندر بھی ہے میرا انجام مجھے پھر سے بتا دو یارو

محمد علوی کی غزل کا سادہ مزاج اور سہل انداز غزل کے قاری کو بہت بھایا۔ محمد علوی نے اپنے اُردو گرد کی دنیا کو قدامت کی زنجیروں سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ ان کے ہاں رسم و رواج اور اونچ نیچ کے تصورات سے بیزاری اور رہائی کا تاثر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی نے لکھا: ''انسانی مزاج کے متنوع پہلوؤں کو محمد علی نے اس طرح شعر کے سانچے میں پرویا کہ اس کی ثانی مثال نہیں ملتی۔''[11]

؎ دن بھر کے دہکتے ہوئے سورج سے لڑا ہوں اب رات کے دریا میں پڑا ڈوب رہا ہوں

؎ دیکھا نہ ہو گا تو نے مگر انتظار میں چلتے ہوئے سمے کو ٹھہرتے ہوئے بھی دیکھ

بشیر بدر کا فنی سفر ساٹھ برس کو محیط ہے۔ کومل، نرمل اور گداز جذبوں کو بشیر نے عام فہم یعنی بول چال کے انداز میں بیان کر کے ان جذبوں کی توقیر میں اضافہ کیا۔ بشیر کا فنی سفر جاری ہنوز جاری ہے۔ ان کی غزل میں ہندوستانی سماج اور تہذیب سے متصل اندیشوں اور توقعات کا بیانیہ پُراثر انداز میں ملتا ہے۔ بشیر نے غزل میں موسیقی کے عنصر کو خوب رچاوٹ کے ساتھ مدغم کیا ہے۔

؎ اک پل کی زندگی مجھے بے حد عزیز ہے پلکوں پہ جھلملاؤں گا اور ٹوٹ جاؤں گا

؎ لوبان میں چنگاری جیسے کوئی رکھ جائے یوں یاد تری شب بھی سینے میں جلتی ہے

سمپورن سنگھ (گلزار) اُردو زبان و ادب کا قابل فخر حوال ہیں۔ گلزار نے اردو فلمی دنیا کو ناقابل فراموش نغموں اور اسکرپٹ سے نوازا۔ گلزار کی نظمیں، غزلیں۔ ترونیاں اور قطعات ان کی یادگار ہیں۔ گلزار کا تخلیقی سفر ہنوز جاری ہے۔ گلزار نے امیجری اور پیکر تراشی کو تشبیہات و استعارات کی زبان میں جس طرح آشکارا کیا وہ ان پر ختم ہے۔ گلزار کی زبان، اظہار، اسلوب، پیش کش سمیت تخلیقی کا ہر عمل متاثر کن ہے۔

؎ عمر بھر موت کے تعاقب میں زندگی سنگرام کرتی ہے

؎ سانس لیتے ہیں جیتے رہے ہیں عادتیں بھی عجیب ہوتی ہیں

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

شین کاف نظام عہدِ حاضر کی غزل کا بڑا نام ہے۔ شین کاف نے غزل کے جملہ اسالیب میں طبع آزمائی اور تخیل کی جولانیوں سے عجب وضع کے مضامین نکالے۔ شین کاف کے ہاں غضب کی سادگی اور پُر اثر لہجے کی حدت پائی جاتی ہے۔ برجستگی اور روانی ان کی غزل کا خاص وصف ہے۔

؎ کوئی آواز نہ پیغام نہ جذبوں کا جھکاو — کس لیے کس کے لیے پھر میں پلٹ کر دیکھوں

؎ اب بام و در کا سرد بدن چاٹتی ہے دھوپ — زینوں کو پار کر کے کہاں آگئی ہے دھوپ

انیس انصاری نے عمدہ غزل کہی۔ ان کے ہاں موضوعات کی تکرار ملتی ہے لیکن خیالات میں تنوع موجود ہے۔ شعر کا خارجی رنگ اچھوتا اور دلکش ہے جبکہ داخلی رنگ سطحی اور معمولی محسوس ہوتا ہے۔

؎ تو، تو اس وقت کہیں وقفِ مسرت ہو گی — مجھ کو معلوم ہے یہ لمحہ راحت ہے تیرا

؎ دیکھ لیجیے، نہ پسند ہو تو کوئی بات نہیں — عشق نایاب سہی، حُسن تو کمیاب نہیں

راحت اندوری نے اُردو غزل کو فیض احمد فیض کی طرح سیاست و معاشرت کا احتجاجی عَلم بنایا۔ راحت کے ہاں وطن سے محبت اور دھرتی کی مقدس روایات سے بگاڑ میں کارفرما عناصر کے خلاف شدت اپنی انتہا کو پہنچی نظر آتی ہے۔ راحت اکیسویں صدی کے بھارت کے مقبول ترین شعرا میں سر فہرست تھے۔ ان کا غزل کا رنگ تیکھا، نوکیلا اور چبھن پیدا کرتا ہے۔ رومانوی مضامین کے بیان میں اپنا خاص انداز رکھتے ہیں۔ مشاعرہ کے کامیاب شاعر تھے۔

؎ زندگی کا کوئی بھی تحفہ نہیں ہے میرے پاس — خون کے آنسو تو غزلوں کے حوالے کر دیئے

؎ جن چراغوں سے تعصب کا دُھواں اُٹھتا ہے — ان چراغوں کو بجھا دو تو اُجالے ہوں گے

پروفیسر وسیم بریلوی عہدِ حاضر کے کہنہ مشاق شاعر ہیں جنھوں نے غزل کو اس کی اپنی زبان میں اظہار کا ذائقہ چکھایا۔ وسیم نے سادہ، آسان اور سہل انداز میں زندگی کے تلخ و شیریں تجربات و حوادث اور سانحات کو پیش کیا۔ شعر کہتے ہیں گویا دل سے بات دل میں اُتر جاتی ہے۔

؎ یہ لگ رہا ہے کہ ہر زخم بھر جاتا ہے — یہ کن لبوں پہ مرے دل کی داستاں گئی

؎ غم میں یوں ڈوبے ہوئے ہم تری محفل سے چلے — جیسے اک راہ کسی پیار کی منزل سے چلے

جاوید اختر مشہور نغمہ نگار، سکرپٹ رائٹر اور جانے کیا کیا ہیں۔ ان کی شخصیت اُردو شعر و ادب کا معتبر حوالہ ہے۔ جاوید کی غزل کا رنگ سب سے مختلف ہے۔ طویل بحر میں موضوع کو ایسے تحدید میں لاتے ہیں کہ کہیں کوئی نقص باقی نہیں رہتا۔ ان کے لکھے ہوئے گیت، اشعار اور گفتگو میں پیش کیے اقوال و نکات پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ جاوید نے اُردو غزل کے جدید ترین لب و لہجے کو کلاسیکی رنگ سے پینٹ کر کے اس کے حُسن کو تابانی و فروزنی بخشی ہے۔

؎ دل بجھا، جتنے تھے ارمان سبھی خاک ہوئے — راکھ میں پھر یہ چمکتے ہیں شرارے کیسے

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

؎ جھکا درخت ہوا سے، تو آندھیوں نے کہا زیادہ فرق نہیں جھکنے، ٹوٹ جانے میں

شارق کیفی قد آور شاعر ہیں۔ شارق نے نظم و غزل میں طبع آزمائی کی اور اپنے عہد کے مقبول اور ممتاز رجحان ساز شاعر قرار پائے۔ شارق نے انسانی معاملات سے متصل جملہ جذبات کو ایک خاص انداز میں اظہار دیا ہے جو ان کی اُردو غزل کو خاص دین ہے۔ شارق نے رومانس کی معنویت کو جملہ افکار کے فلسفے میں تحلیل کر کے دیکھا ہے۔

؎ جان دینے کا وقت آ ہی گیا اس تماشے کے بعد فرصت ہے

؎ نیند اب آنے ہی والی ہے مجھے اب جنوں کم ہونے والا ہے مرا

فرحت احساس عصر حاضر کے ممتاز شاعر ہیں جنھوں نے سنجیو سراپ کے ہمراہ "ریختہ" ایسی ویب سائٹ کو متعارف کروانے میں اپنا کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کا شعری منظر نامہ کائناتی وسعت کا حامل ہے۔ غالب و میر و داغ و ناصر کا لب و لہجہ ان کے ہاں ایک آواز بن کر ابھرا ہے۔ ان کی غزل میں حُسن و عشق کا رعب دار بیان ہے جس میں سمجھوتہ کی نسبت چیلنج کی فضا دکھائی دیتی ہے۔ الفاظ سے کام لینے کا ہنر انھیں خوب آتا ہے۔

؎ تجھے خبر ہو تو بول اے مرے ستارہ شب مری سمجھ میں تو آتا نہیں اشارہ شب

؎ کبھی نیچا رہا سر اور کبھی چھوٹے رہے پاوں میں بھی ہر بار کہاں اپنے برابر نکلا

عالم خورشید عمدہ غزل گو ہیں۔ ان کی غزل کا رنگ جدید معنویت کے ساتھ کلاسیکی رنگِ سخن کا پیرو نظر آتا ہے۔ عالم نے تجرید و تجسیم کی اضداد کو باہم متشکل کرنے کی تمثالی تجربہ کاری کی ہے جس سے شعر کی تفہیم اُلجھ جاتی ہے۔

؎ ترے خیال کو زنجیر کرتا ہوں میں اپنے خواب کی تعبیر کرتا رہتا ہوں

؎ کچھ رستے مشکل ہی اچھے لگتے ہیں کچھ رستوں کو ہم آسان نہیں کرتے

عطا عابدی نے تحقیق و تنقید میں زیادہ وقت گزارا۔ شعر نسبتاً کم کہے لیکن عمدہ کہے۔ کسی ایک موضوع پر مستقل اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکے۔ جو، جی میں آیا پختہ اور رواں ہونے سے قبل احاطہ تحریر میں لے آئے جس سے شعر کا رنگ پھیکا اور بے سواد ہو گیا ہے۔

؎ کبھی تو رخِ شبِ غم کا کروا دھر کو بھی نشاطِ صبح سے اب رشتہ اپنا جوڑو بھی

؎ کبھی نہ کھل کے ملا وہ نصیب کیسا تھا قریب تھا مرے لیکن قریب کیسا تھا

نعمان شوق "ریختہ" فاونڈیشن سے وابستہ عہد حاضر کے عمدہ شاعر ہیں۔ سماج میں ہونے کے بدلاؤ اور عالمی تغیرات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ شعر میں رد عمل کا رجحان ملتا ہے۔ ظلم و ستم کی ناؤ کو اپنے مخالف بہتے دیکھ کر سیخ پا ہو جاتے ہیں۔ حسن میں قناعت کے قائل ہیں۔ جذباتی نہیں ہوتے۔

؎ یہ سارے زخم مجھے آگہی نے بخشے ہیں خبر کے پاس مرا اندمال کچھ بھی نہیں

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

؎ میں اپنے سائے میں بیٹھا تھا کتنی صدیوں سے تمہاری دھوپ نے دیوار توڑ دی میری

خالد محمود کی غزل دبستانِ لکھنو کی قدیم روایت کا تتبع کرتی دکھائی دیتی ہے۔ خالد نے اپنے مخصوص تخیلی افکار کو تغزل کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ خالد کے ہاں تجربے سے اخذ معنویت کا گہرا تاثر شعر کی بُنت تاثر چھوڑتا دکھائی دیتا ہے۔ رشتوں کی گراوٹ کا کرب خالد نے براہ راست محسوس کیا ہے۔

؎ سگِ دُنیا پکارا جا رہا ہے ہر ایک جانب اشارا جا رہا ہے

؎ شکوہ کروں کہ شکر کروں آسمان کا سر پر نہیں گرا مرے چھپر مکان کا

سراج اجملی کا شمار عمدہ غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ سراج نے غزل میں فکر کی گہرائی کو تمثیلی پرتو میں قدرے سنجیدہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی آواز میں ایک ٹھہراؤ اور اپنا پن ہے جو سطحی خیال کو بھی دلآویز بنانے کا کام کرتا ہے۔

؎ یہ جو تصویر میں اشکوں کی فراوانی ہے غم نہیں ہے یہ کوئی اور پریشانی ہے

؎ اب اور کیا نگہِ بے نیاز میں کم ہو یہ مشتِ خاک کہ پہلے سے ہے بہت ارزاں

رسول ساقی نے فکر و خیال کی آمیزیش سے زبان کی نزاکتوں اور تلازموں کا بھرپور استعمال کیا۔ رسول کی غزل کا استعجابی رنگ پڑھنے والے پر اپنے افکار کی تابناکی واضح کرتا ہے۔ شعر میں تشکیک کا عنصر موجود ہے۔ تازگی اور برجستگی کے ساتھ روانی بھی موجود ہے۔

؎ وہ میری دشمنی کا سامنا کر بھی نہیں سکتا وفا کے نام پر کر لے وہ جتنا جور کرنا ہے

؎ مرے سب خواب پانی ہو گئے ہیں مگر آنکھوں سے بہتا کچھ نہیں ہے

نوشاد احمد کریمی کی غزل کا تحقیقی رنگ شعری تاثر کو زائل کرتا ہے۔ نوشاد نے سماجی تنزل کے یاسیت زدہ ماحول میں امید کی شمع جلائی ہے۔ الفاظ سے تجسیم کاری کرتے ہیں اور ذاتی تجربوں کو داستانی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ زبان پر گرفت ہے، عمدہ شعر نکال لیتے ہیں۔

؎ چراغِ عجز بہ دستِ خلوص جل نہ سکا کہاں سے ہوتی فلک پر مری دُعا روشن

؎ میں لکھ رہا ہوں غم کی کہانی ورق ورق ٹپکا قلم سے آنکھ سے پانی ورق ورق

ظہیر رحمتی عہدِ حاضر کے عمدہ غزل گو شاعر ہیں۔ ان کے کلام کی فنی پختگی وسیع مشاہدے کی دین ہے۔ تجربے کو سامنے نہیں لاتے مشاہدے سے سماج کے دوہرے معیار کو پرکھتے ہیں۔ رشتوں ناتوں اور تعلق داریوں کی منافقت اور کھوکھلی معاشرت کو بے باکی سے بیان کرتے ہیں۔ شعر میں کائناتی آفاقی محسوس ہوتی ہے۔

؎ یہ کس نے طاق میں آنکھوں کی سرخیاں رکھ دیں کہ روشنی میں شبِ انتظار ختم ہوئی

؎ زمانے بھر کو ہے اُمید اُسی سے وہ نااُمید ایسا کر رہا ہے

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

شہپر رسول کی غزل تلازموں اور صوتی اشاروں سے اظہار کے وسیلے تلاشتی ہے۔ شہپر نے علامتوں کا استعمال کیے بغیر غزل کو علامتی اندازِ تکلم بخشا ہے۔ الفاظ سے دلچسپی نے ان کی غزل کو نگار خانہ بنا دیا ہے۔ اپنی مرضی سے تخیل کو لگام ڈال کر موزوں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

؎ بچ گیا میں کہ بھروسے کے اُسی پار رہا ہو گیا زخموں سے چھلنی مرا سارا سارا

؎ وہ برہمی کی جو اک داستاں تھی ختم ہوئی اسے کہو کہ وہ اُس سے وہ بات اب نہ کہے

منور رانا کی شاعری میں ایک جہان آباد ہے۔ منور نے اپنی غزل کو سماجی اقدر سے انحراف کے رویئے کے خلاف مرکوز کر رکھا تھا۔ ماں کا تصور ان کی شاعری کا مرکزی نکتہ ہے۔ منور نے اپنا منفرد اسلوب وضع کیا اور خوب غزل کی زلفیں سنواریں۔ منور کا شعری سفر پچاس برس کو محیط ہے۔ شعری حِسّیت اور مشاہدے کی گہرائی منور رانا کی غزل کو آفاقی بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

؎ سیلاب کا پانی کبھی روکا نہیں جاتا کیوں راستہ تو دیدہ تر کاٹ رہا ہے

؎ ہم غریبوں میں چلے آئے بہت اچھا کیا آج تھوڑی دیر کو گھر میں اُجالا ہو گیا

لیاقت جعفری پونچھ کشمیر سے متصل ممتاز عہدِ حاضر کے شاعر ہیں۔ ان کی غزل کا رنگ احتجاجی ہے جو کشمیر کی صورتحال سے مشروط ہے۔ لیاقت نے غزل کو وسیع تناظر میں برتا ہے۔ ان کی اپنی لفظیات اور خاص اسلوب ہے جس سے گہری کاٹ دار حسیت کو شعر کے پردے میں قاری تک احتجاج کی صورت پہنچاتے ہیں۔ کرب و درد و نارسائی اور بے بسی کی اتھاہ میں غرق امید کو اچھالنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

؎ وجود اپنا ہے اور آپ طے کریں گے ہم کہاں پہ ہونا ہے ہم کو کہاں نہیں ہونا

؎ میں کچھ دنوں سے اچانک پھر اکیلا پڑ گیا ہوں نئے موسم میں اک وحشت پرانی کاٹتی ہے

معین شاداب مشاعرے کی نظامت کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ معین کی شاعری کا رنگ مقلدانہ ہے۔ انفرادیت کی کمی ہے البتہ شعر عمدہ کہنے کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ شعر کی شعریت سے زیادہ شعر کے خارج پر دھیان دیتے ہیں۔

؎ ذرا سی دیر کو تم اپنی آنکھیں دے دو مجھے یہ دیکھنا ہے کہ میں تم کو کیسا لگتا ہوں

؎ بہت سے درد تو ہم بانٹ بھی نہیں سکتے بہت سے بوجھ اکیلے اٹھانے پڑتے ہیں

خوشبیر سنگھ شاد غزل کا بڑا نام ہے۔ شاد کے ہاں غزل کے ارتقا کا تسلسل نظر آتا ہے۔ شاد نے غزل میں حسن و عشق کے ساتھ سماجی شعور کی پرتوں کو کھولا ہے اور ممنوعہ موضوعات پر قلم اُٹھایا ہے۔ ان کے ہاں سماجی انحرافات اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ کا تنزل دکھائی دیتا ہے۔

؎ ترے قد تک پہنچنے کی ہوس میں میں اپنے قد سے کم تر ہو گیا ہوں

؎ تجھ سے بچھڑنے کے غم کی شدت سمجھ رہا ہوں اب تیرے آنسوؤں کی قیمت سمجھ رہا ہوں

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

امیر امام نوجوان شاعر ہیں۔ ہندوستانی غزل کی مشترکہ تہذیب کی نمائندہ آواز ہیں۔ ان کی لفظیات اور موضوعات میں گہرا تضاد ہونے کے باوجود اتصال کی ایک گہری رمزیت پائی جاتی ہے۔ شعر کا آہنگ احتجاجی ہونے کے باوجود گداز اور نرمل محسوس ہوتا ہے۔ انسانی جذبات کے بیان کا عمدہ سلیقہ آتا ہے۔ شعر کہتے ہوئے ہوئے ریاضت کا دامن نہیں چھوڑتے۔

؎ محسوس کر رہا ہوں خاروں میں قید خوشبو — آنکھوں کو تری جانب اک بار کر لیا ہے

؎ وہ جو آدمؑ کو بلا لائی تھی جنت سے یہاں — یار ہم بھی اس مٹی کے پکارے ہوئے ہیں

ابھیشک شکلا نئی نسل کے ممتاز شاعر ہیں۔ ان کی ادب اور تہذیب کے جملہ مظاہر پر گہری نظر ہے۔ نوجوان شاعر ہونے کے باوصف ابھیشک نے غزل کو ایک سنجیدہ فنکار کی طرح برتا ہے۔ ابھیشک نے زندگی کے نشیب و فراز کے حوادث و معاملات کو غزل کی زبان بنایا۔ عمدہ شعر نکالتے ہیں۔

؎ تیری آنکھوں کے لیے اتنی سزا کافی ہے — آج کی رات مجھے خواب میں روتا ہوا دیکھ

؎ مقامِ وصل تو ارض و سما کے بیچ میں ہے — میں اس زمین سے نکلوں، تو آسماں سے نکل

مختصر یہ کہ ہندوستان میں جدید اُردو غزل کا سفر جاری ہے۔ اکیسویں صدی کے اس ہنگامہ پرور دور میں بھی اُردو زبان و ادب کی جملہ اصناف میں تخلیق کاروں کی مشقِ سخن جاری ہے۔ وقت گزرتا ہے اور اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ شاعر چلا جاتا ہے۔ اپنے پیچھے اپنا سرمایہ خلق چھوڑ جاتا ہے۔ زبانیں زندہ رہتی ہیں۔ ادب زندہ رہتا ہے۔ جب تک انسان سوچتا رہے گا، اس کا رشتہ قلم سے رہے گا۔ قلم تخلیق کرتی رہی ہے، شاعری ہوتی رہے گی اور پڑھی جاتی رہے گی۔ اُردو غزل اُردو زبان کا تعارف اور چہرہ ہے، یہ چہرہ ہمیشہ تابندہ رہے گا۔

حوالاجات

1. شیخ عقیل احمد، ڈاکٹر، ارد و غزل کا عبوری دور، (دہلی: آفیسٹ پریس، 1992،) ص140
2. آل احمد سرور، پروفیسر، نئے پرانے چراغ، (لکھنو: ادارہ فروغ اُردو،، 1955)، ص195
3. اسلوب احمد انصاری، پروفیسر، ادب اور تنقید، (الٰہ آباد: سنگم پبلشنگ ہاؤس،،) 1968، ص64
4. خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد پنجم، (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، پریس، 2012،)، ص208
5. محمد حسن، پروفیسر، جدید اُردو ادب، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،، 1975)، ص101
6. مظفر حنفی، ڈاکٹر، جہات و جستجو، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1986)، ص48
7. عقیل احمد رضوی، ڈاکٹر، تاریخ جدید اُردو غزل، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 1988) ص249

Al-Qirtas
ARABIC
ISSN Online : 2709-6076
ISSN Print : 2709-6068

8. فرمان فتح پوری، بحوالہ، ڈاکٹر، محمد شمس الحق، مشمولہ، پیمانہ غزل، جلد دوم، (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 2001)، ص220

9. احتشام حسین، اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ، (لاہور: القمر انٹرپرائز، 2008)، ص169

10. حقانی القاسمی، مشمولہ، بقدر ظرف ہے تنگنائے غزل، سہ ماہی در بھنگہ ٹائم، مدیر، منصور اختر، ڈاکٹر، لال باغ، در بھنگہ، 2017، ص61

11. شمس الرحمن فاروقی، اثبات و نفی، (دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، 1986)، ص171

12. کوثر مظہری، 80 کے بعد کی غزلیں (انتخاب)، (دہلی: امکان انٹرنیشنل، دہلی، 2001)، ص168

Reference in Roman Scripts:

Sheikh Aqeel Ahmed , dr, urdu ghzal ka aboori daur,) Dehli : offiest press, 1992, (s 140

all Ahmed suroor, professor, naye puranay chairag, (lkhno : idaara farogh urdu, , 1955), s 195

usloob Ahmed ansari, professor, adab aur tanqeed, (ala abad : sangam pblshng house, ,) 1968, s 64

khwaja Mohammad zikria, dr, tarikh adbiyat mslmanan Pakistan o hind, jald panjum, (Lahore : Punjab yoni vrsti, press, , 2012), s 208

Mohammad husn, professor, jadeed urdu adab, (Dehli : maktaba jamea ltd, , 1975), s 101

muzaffar Hanfi , dr, jihat o justojoo, (Dehli : maktaba jamea ltd, 1986), s 48

Aqeel Ahmed Rizvi , dr, tareekh jadeed urdu ghazal, (Islamabad : national book foundation, 1988) s 249

farmaan fatah poori, bahawala, dr, Mohammad Shams Al Haq , mashmola, pemana ghazal, jald doum, (Islamabad : national buk foundation, 2001), s 220

Ehtisham Hussain , urdu adab ki tanqeedi tareekh, (Lahore : al qamar inter prize, 2008), s 169

Haqqani alqasmi,mashmola, baqadar zarf hai tangnay e ghazal, sah mahi drbhngh time, mudeer, mansoor Akhtar , dr, laal baagh, drbhng_h, 2017, s 61

Shams Al Rehman Farooqi , asbat o nifi, (Dehli : maktaba jamea ltd, 1986), s 171

kusar mazhri,80 ke baad ki gazleen (intikhab), (Dehli : imkaan international, Dehli , 2001), s 168